The Representation of Educational Consciousness in the Short Stories of Mumtaz Mufti

ممتاز مفتی کے افسانوں میں تعلیمی شعور کی پیش کش

Dr Muhammad Zafar Iqbal*[1]
Department of Urdu, FC College University, Lahore.
Dr.Waheed Ur Rehman Khan*[2]
Professor, Department of Urdu, University Of Education Lahore.

ڈاکٹر محمد ظفر اقبال☆[1]
شعبہ اردو، ایف سی کالج یونیورسٹی، لاہور
ڈاکٹر وحید الرحمان خان☆[2]
پروفیسر، شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور

Correspondance:drmuhammadzafariqbal@fccollege.edu.pk

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 15-04-2026
Accepted:28-06-2026
Online:28-06-2026

Copyright:© 2026 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ABSTRACT: Mumtaz Mufti is an eminent figure in modern Urdu short stories. His narratives predominantly delineate the intricate complexities of human nature and psychology, providing profound psychoanalytic insights into his characters. A prominent yet distinct theme within his literary oeuvre is the "educational landscape", which he examines through socio-cultural and psychological frameworks. This educational milieu encompasses students, educators, classrooms, sports grounds, libraries, and hostels, effectively constructing a vibrant realm populated by lifelike characters. This research paper critically evaluates the educational landscape depicted in Mufti's short stories, highlighting his endeavor to foster educational consciousness and intellectual awareness.

KEYWORDS: Mumtaz Mufti, Modern Urdu Fiction, Short Story (Afsana), Educational Landscape, Psychological Realism, Educational Consciousness, Socio-Cultural Analysis.

ممتاز مفتی جدید اردو افسانے کا ایک معتبر نام ہے۔ ان کا شمار اردو کے ان منفرد افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے جن کے ہاں تکنیک کے تجربات بھی ہیں اور اسلوب کی انفرادیت بھی،اس کے علاوہ انہوں نے جو خصوصیت ممتاز اور منفرد بنائی ہے، وہ موضوع کے تنوعات ہیں۔ ان کے فتراک میں بہت سی کہانیاں ہیں اور کہانیوں میں بہت سے کردار۔ انہیں کرداروں کی نفسیات میں خاص دل چسپی محسوس ہوتی ہے اور وہ ان کے باطن میں تاک جھانک کرتے رہتے ہیں اور ان کے لاشعوری محرکات کی تلاش، تفہیم اور تعبیر میں مصروف رہتے ہیں۔ فرد کی جنسی نفسیات ان کے لیے ایک معمہ ہے جسے وہ سمجھنے اور سمجھانے کی سعی کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک وجودِ زن میں دل کشی اور رعنائی ہے مگر وہ صرف پیکر کے خطوط تک محدود نہیں رہتے، وہ مسئلہ زن کو سلجھانے کی اپنی سی کوشش ضرور کرتے ہیں۔ ممتاز مفتی کو انسانی ذہن کی پیچیدگیوں اور ذات کی گہرائیوں میں کشش محسوس ہوتی ہے اور وہ اس عقدۂ مشکل کی کشود کے لیے کہانیاں تراشتے ہیں، کردار تخلیق کرتے ہیں اور افسانے رقم کرتے ہیں۔

ممتاز مفتی کی افسانہ نگاری میں سماجی حقیقت نگاری کو خاص اہمیت حاصل ہے اور وہ مختلف سماجی حقیقتوں کو افسانوی رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ دورِ حاضر میں ''تعلیم'' ایک روشن معاشرتی حقیقت ہے، تعلیمی عمل ایک بامعنی سرگرمی بن چکا ہے اور ایک ایسا ''تعلیمی منظر نامہ'' وجود میں آچکا ہے جس کی اپنی سماجی، معاشی اور نفسیاتی جہات ہیں۔ اس تعلیمی منظر نامے، میں سکول، کالج، مدارس اور یونی ورسٹیاں شامل ہیں، اس میں طلبہ و طالبات اور اساتذہ کرام ہیں، کمرۂ جماعت اور کھیل کے میدان ہیں، لائبریریاں اور ہوسٹل ہیں۔ مختصر یہ کہ ایک جہان ہے جس میں تحرک، چہل پہل اور گہما گہمی ہے۔ ممتاز مفتی نے اپنے افسانوں میں اس جہان کی بھی جھلکیاں دکھائی ہیں۔ یہ جھلکیاں اس تواتر اور کثرت سے پیش کی گئی ہیں کہ ان کی افسانوی دنیا میں ایک ایسا ''تعلیمی منظر نامہ'' تشکیل ہوتا نظر آتا ہے جو توجہ کا طالب اور تعارف کے لائق ہے۔

ممتاز مفتی کے افسانے ''ذاتی معاملہ'' میں سکول اور کالج سطح پر تعلیمی معاملات کی واضح جھلک نظر آتی ہے۔ مصنف نے یہ بیان کیا ہے کہ والدین اپنی اولاد کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کے خواہاں ہوتے ہیں چناں چہ اگر والدین معاشی طور پر مستحکم نہ ہوں اور اولاد کے تعلیمی اخراجات پورے نہ کر سکتے ہوں تو پھر وہ قرض تک اُٹھاتے ہیں۔ ان کی خواہش ہوتی ہے کہ تعلیم کی بدولت ان کی اولاد معاشی طور پر مستحکم ہو اور معاشرے میں ایک باعزت مقام حاصل کرے۔ مصنف نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ تعلیم ہی افراد کے شعور اور کردار کو سنوارتی ہے، معاشرے میں باعزت مقام عطا کرتی ہے اور اچھے روزگار اور اعلیٰ عہدوں تک پہنچنے کا ذریعہ بنتی ہے۔

افسانے کا مرکزی کردار صمد کالج میں سائنس کی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ وہ دوسروں سے زیادہ ربط و ضبط نہیں رکھتا تھا اور زیادہ تر وقت اپنے کمرے میں محوِ مطالعہ رہتا تھا۔ وہ نصاب سے ہٹ کر بھی مطالعہ کا شوقین تھا اس لیے دورانِ تدریس ہی

مغربی ادب سے آشنا ہو چکا تھا۔ وہ معاشی طور پر کمزور تھا اور مشکل سے اپنے حالات کو سنبھالتا تھا۔ درج ذیل اقتباس ملاحظہ ہو:

"صمد کو پڑھنے کا شوق تھا اور حالانکہ سائنس کا طالب علم تھا مگر وہ مغربی لٹریچر کے ایک بڑے حصے کا مطالعہ کر چکا تھا۔ اس کے والدین اوسط حیثیت کے مالک تھے اور بڑی مشکل سے اسے تعلیم دلا رہے تھے۔ اس لیے وہ فارغ البالی کے احساس سے ناواقف تھا۔ اس کے پاس نہ تو تفریح کے لیے روپیہ تھا اور نہ ہی وقت۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ وقت کا زیادہ تر حصہ کمرے میں بیٹھ کر مطالعہ کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ ٹرپنٹائن فیکٹری کے شعبۂ تحقیق میں اسے تارپین کی متعلقہ مصنوعات کی تحقیق کرنے کی ایک آسامی مل گئی۔“ (۱)

پروفیسر خورشید احمد تعلیم اور روزگار کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

"اسلام کی نظر میں انسانی محنت اور مشقت نہایت ہی قابل قدر ہے۔ اسلام ہر فرد کو اپنی روزی خود کمانے کے قابل بناتا ہے۔ پس تعلیم کو دیانت دارانہ، منصفانہ اور معقول معاش کے حصول میں مدد و معاون ہونا چاہیے۔“(۲)

صمد اپنی محنت کی بنا پر ایک سال کے اندر اندر تحقیق کے شعبے کا انچارج بن گیا۔ پھر اس شعبے سے اسسٹنٹ منیجر کے عہدے پر تعینات کر دیا گیا۔ تقسیم کے بعد فیکٹری کا نام تارپین رکھا گیا اور صمد کو جنرل منیجر کے عہدے پر فائز کر دیا گیا۔

اُس کا تعلیم یافتہ اور باوقار روّیہ تبدیل ہونے لگا۔ عاجزی کی جگہ تکبر کا احساس پروان چڑھنے لگا۔ یہی وجہ تھی کہ اب وہ عبدالصمد سے اے صمد اور پھر مسٹر صمڈ ہو بن گیا تھا۔ احساسِ برتری نے اسے اس کے حقیقی نام سے محروم کر دیا۔

صمد نے فیکٹری کے ملازمین کی مراعات بند کر دیں اور ان کے بچوں کی مفت تعلیم بھی روک دی اور مختلف عہدوں کے ملازمین کو فارغ کر دیا، حالانکہ پہلے یہی صمد جو مزدوروں اور ان کے بچوں کا خیر خواہ تھا اور مفت تعلیم کا بندوبست کرتا تھا۔ صمد کے ماضی میں حسنِ سلوک کے بارے میں یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

"الٹا وہ تو فیکٹری کے کارندوں سے اظہار ہمدردی کیا کرتا تھا۔ مثلاً جب سپرنٹنڈنٹ حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے فوت ہو گیا تھا تو اس نے

اس کے کم سن بچوں کے لئے وظیفہ مقرر کر دیا تھا تاکہ وہ تعلیم سے محروم نہ ہو جائیں۔ سٹور کیپر فضل الٰہی کی ناگہانی وفات پر اس نے اس کی جگہ اس کے بڑے لڑکے کی تقرری کر دی تھی حالانکہ وہ بچہ پورے طور پر بالغ بھی نہ ہوا تھا۔ اور فیکٹری کے قانون کے مطابق اسے ملازمت دی ہی نہ جا سکتی تھی۔ پھر اچھا کام کرنے والوں کے لیے صاحب نے انعامات دینے کی رسم ڈالی تھی اور فیکٹری کے ملازمین کے بچوں کو مفت تعلیم دلانے کی خاطر حکومت کو مجبور کر کے وہیں ایک انگریزی سکول کھلوا دیا تھا۔ اور ملازمین کی تفریح کے لیے کھیلیں شروع کر دی تھیں۔ "(۳)

مزدوروں کے روزگار، مراعات اور تعلیم کا بندوبست کرنے والا اے صمدبیوی کے رویے کی وجہ سے مزدوروں کا دشمن بن گیا تھا۔ یہاں تک کہ فیکٹری سکول کے اساتذہ کو بھی سختی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اساتذہ بچوں پر سختی کرتے تھے۔ سکول کا ماحول بچوں کے لیے ناساز گار بن چکا تھا۔ یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

"جنرل منیجر پہلی مرتبہ سکول میں آئے تھے تو پہلی مرتبہ بچے حیران رہ گئے تھے۔ انہیں اس بات کا یقین ہی نہ آتا تھا۔ اسی لیے وہ حسب معمول شور مچاتے رہے۔ پھر جنرل منیجر نے ہیڈ ماسٹر کے کمرے میں استادوں کو اکٹھا کیا تھا اور دیر تک نہ جانے وہ سب کیا باتیں کرتے رہے تھے۔ اگلے روز سکول کا ہیڈ ماسٹر ہمیشہ کے لیے سکول چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اور سکول میں شور مچ گیا کہ بڑے ماسٹر کو جنرل منیجر نے نکال دیا ہے۔ اس بات پر بچے سہم گئے تھے۔ اور ماسٹروں کی دھمکیاں شدید ہو گئیں۔ "(۴)

ارشد محمود تعلیم اور انسانی خامیوں کے حوالے سے جان ڈیوی کے خیال کو یوں بیان کرتے ہیں:

"ہمارے پڑھے لکھے لوگ جب کسی مقام کو حاصل کر لیتے ہیں، ڈاکٹر، انجینئر یا آفیسر وغیرہ بن جاتے ہیں تو ان کا رویہ سوسائٹی سے مخاصمانہ ہو جاتا ہے۔ انہیں عام آدمی کے مسائل، سماج اور ملک کے مفادات سے کوئی دلچسپی نہیں رہتی۔ ان کے سامنے سوائے اپنی ذات اور مفاد کے کچھ نہیں ہوتا۔“ (۵)

اس افسانے میں صمد اور اس کے والدین، سکول کے بچے، اساتذہ اور ہیڈ ماسٹر معاشرے میں پائے جانے والے تعلیمی رجحانات کے عکاس ہیں۔ مصنف نے اس افسانے میں تعلیم کے حصول کے لئے ناکافی مالی وسائل کے مسئلے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ تعلیم افراد کی اقتصادی حالت کو سنوارتی ہے مگر بعض اوقات تعلیم کے ذریعے ملنے والے اعلیٰ عہدوں کا غلط استعمال کرکے دوسرے لوگوں کا استحصال کیا جاتا ہے جو انتہائی نامناسب عمل ہے۔ تعلیم ایسے رویوں کی نفی کرتی ہے۔ تعلیم ہی انسان کو اپنی نجی، داخلی اور خارجی ذمہ داریوں کو بطریقِ احسن ادا کرنے کے قابل بناتی ہے۔ ممتاز مفتی نے افسانے کے مرکزی کردار کا مرحلہ وار نفسیاتی مطالعہ پیش کیا ہے۔

ممتاز مفتی کے افسانے "جادو گرنی" میں مصنف نے ساجد کے کردار کے ذریعے دیہات میں موجود تعلیمی ادراک کی عکاسی کی ہے۔ یہ افسانہ ہوسٹل میں اقامت کے رجحان کا بھی غماز ہے۔ مصنف نے اس امر کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ محنتی طالب علم بھی مناسب رہنمائی نہ ہونے کے سبب اپنی تعلیمی منزل سے دور ہو جاتا ہے۔ ساجد گاؤں کا لڑکا ہے اور کالج میں زیرِ تعلیم ہے۔ "ان دنوں ساجد تھرڈ ائیر میں تھا۔ اس کی عمر انیس کے لگ بھگ ہوگی۔"(٦) وہ کالج کے میدان میں واقع فرینڈز منزل میں مقیم ہے۔ منزل کی عمارت کا پچھلا حصہ کالج کے میدان سے جڑا ہوا ہے۔ منزل کی چھت سے کالج کی وسیع عمارت نظر آتی ہے۔ کالج کی چھت سے ہوسٹل کے برآمدے میں بھی لڑکے کھڑے نظر آتے ہیں۔ ساجد کو کھانے، پڑھنے اور سونے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں تھا۔ مصنف نے اس امر کی طرف بھی متوجہ کیا ہے کہ دیہاتی بچے بھی حصولِ تعلیم کے لئے گاؤں سے شہر کی طرف جاتے ہیں اور ہوسٹل میں قیام کرتے ہیں۔ مصنف نے اس افسانے میں کالج، کالج کے میدان، منزل اور ہوسٹل کا ذکر کرکے اجتماعی تعلیمی ماحول کو پیش کیا ہے۔

ممتاز مفتی کا افسانہ "پردۂ سیمیں" کالج کی سطح کے تعلیمی ماحول کا ترجمان ہے نیز کالج کی سرگرمیوں اور فنونِ لطیفہ سے متعلق تقریبات کے انعقاد کے رجحان کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ افسانہ والدین میں پائی جانے والی تعلیمی فکر کا مظہر ہے۔ اس افسانے میں صمد کالج میں زیرِ تعلیم ہے۔ دوسرے لڑکوں کی طرح سینما کا شوقین ہے۔ اس شوق کی تکمیل کے لیے وہ کالج میں خصوصی اجلاس کرنے لگتا ہے۔ صمد کے کالج میں لڑکیاں بھی پڑھتی ہیں۔ صمد کی ماں بھی تعلیمی سوچ کی حامل ہے اور کالج والوں کو فلسفہ پڑھانے پر کوستی ہے۔ صمد کی بہن بلند اقبال بھی دسویں جماعت میں ہے۔

مصنف نے اس افسانے میں صمد اور دیگر کالج کی لڑکیوں کے کردار کے ذریعے تعلیمی ادراک اور کالج کی زندگی میں ان کے جذبات اور احساسات کی نمائندگی کی ہے۔ صمد کے کالج میں لڑکیوں کا پڑھنا نہ صرف خواتین کے ذوقِ تعلیم کی عکاسی کرتا ہے بلکہ معاشرے میں مخلوط تعلیم کے رجحان کی بھی غمازی ہے۔ مصنف نے بلند اقبال کے کردار کے ذریعے روشن فکری، تہذیب سے وابستگی اور فیشن پرستی کی بھی تصویر کشی کی ہے۔ یہ افسانہ نئی نسل کی نفسیاتی پیچیدگیوں کو باریک بینی سے بیان کرتا ہے۔

ممتاز مفتی کے افسانے ''سمیع اور اسمارہ'' میں مصنف نے تعلیم حاصل کرنے کے لیے لوگوں کے شہروں کا رُخ کرنے کے رجحان کی نشاندہی کی ہے۔ مزید یہ کہ تعلیم یافتہ افراد شعور ہونے کے باوجود اپنی ذمہ داریوں سے غفلت برتتے ہیں۔ یہ افسانہ نہ صرف شہروں میں بلکہ دیہاتوں میں بھی پائے جانے والے تعلیمی شعور کا مظہر ہے۔ اس افسانے کا مرکزی کردار سمیع گاؤں سے شہر آکر سال سوم میں داخل ہوتا ہے اور ہوسٹل میں قیام کرتا ہے۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ فلکیات کے محکمے میں ملازم ہو گیا تھا۔ اسمارہ کے والد قائم علی کالج میں پروفیسر ہیں۔ اسمارہ کی والدہ کے انتقال کے بعد وہ پڑوسی سب جج کی بیگم عشرتی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ جملے ملاحظہ ہوں:

> "پڑوسی سب جج کی بیگم عشرتی ہمیشہ کے لیے اپنا گھر چھوڑ کر پروفیسر صاحب کے گھر آبیٹھی تھی اور اس کی آمد پر پروفیسر صاحب نے کتابیں پڑھنے کا شغل ترک کر دیا تھا۔ اور وہ اپنی تازہ فتح، بیگم عشرتی میں کھو گئے تھے۔"(۷)

پروفیسر قائم علی بیگم عشرتی کو پالینے کے بعد اولاد کی تربیت اور ذمہ داریوں سے بھی غافل ہو جاتے ہیں۔ اس افسانے میں سمیع، پروفیسر قائم علی اور سب جج معاشرے میں موجود تعلیمی تصور کے نمائندے ہیں۔ مصنف نے اس مسئلے کو بھی واضح کیا ہے کہ جب اکثر لوگ گاؤں سے حصول تعلیم کے لئے شہر آتے ہیں تو رہائش کا مسئلہ درپیش آتا ہے۔ مجبوراً وہ کسی رشتہ دار، شناسا یا ہوسٹل میں قیام کرتے ہیں۔

ممتاز مفتی کے افسانے ''جوار بھاٹا'' میں تعلیم نسواں کی اہمیت کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ مصنف نے لڑکیوں کے تعلیم حاصل کر کے درس و تدریس سے وابستہ ہونے کے رجحان کو بھی ہنر مندی سے بیان کیا ہے۔ یہ افسانہ درس و تدریس کی اہمیت اور خود انحصاری کی تصویر بھی پیش کرتا ہے۔ مرجانہ جے۔ اے۔ وی کا امتحان پاس کر کے ایک بڑے سکول میں استانی کے طور پر آتی ہے۔ وہ سکول کے خوبصورت ماحول سے بہت متاثر ہوتی ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

> "ان دنوں جے۔ اے۔ وی پاس کرنے کے بعد وہ نئی نئی شگوفہ پور کے سکول میں معلمہ کی حیثیت سے آئی تھی۔ شگوفہ پور کا سکول دیکھ کر وہ حیران رہ گئی تھی۔ چار دیواری کے اندر وسیع میدان میں جب وہ پہلی مرتبہ داخل ہوئی تو اس کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ چاروں طرف چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں پر گلابی پنکھڑیاں جھول رہی تھیں۔ کیاریوں میں، روشوں پر گراؤنڈ میں، گملوں میں حتیٰ کہ دیواروں اور چھتوں پر بھی۔ اس طوفانِ رنگ و بو نے اسے حیران کر دیا۔ پہلے تو وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھتی رہی۔ پھر رنگ و بو کے اس طوفان سے وارفتہ ہو کر دیوانہ وار اس وسیع میدان میں

ٹہلنے لگی۔ اور مدرسوں میں بھی اس نے پھولوں کے تختے دیکھے تھے۔ لیکن
شگوفہ پور تمام کا تمام پھولوں بھرا ایک وسیع خطہ دکھائی دیتا تھا۔"(۸)

سکول کے اندرونی اور بیرونی ماحول کے حوالے سے ارشد محمود نے ماہرِ تعلیم کومینئیس (Comenius) کے خیال کو یوں بیان کیا ہے:

"اسے تعلیم سے متعلق سجاوٹی سامان سے آرائش ہونا چاہیے۔ سارا ماحول اتنا پر کشش ہو کہ بچہ جدھر کو دیکھے اسے کچھ نہ کچھ سیکھنے کو ملے۔ اسکول کو مسرت کا گہوارہ "House of Joy" ہونا چاہیے نہ کہ اذیت گھر، مدرسے کے گردو پیش کا ماحول (Surrounding) خوبصورت، خاموش اور اچھے مناظر کا حامل ہونا چاہیے۔"(۹)

سکول میں مِس سائلز، حمیدہ اور سعیدہ بھی اس کی ہم کار استانیاں ہیں۔ استانیاں ہوسٹل میں طالبات کے ساتھ محفل بھی جماتی ہیں اور اکٹھی ہو کر فلم دیکھنے بھی جاتی ہیں۔ مصنف نے ہوسٹل کے اندر لڑکیوں کے قیام، ان کی سرگرمیوں اور مشغلوں کی خوش کن کیفیات کو یوں بیان کیا ہے:

"گئی رات تک بورڈنگ کے مین بلاک میں ہنگامہ مچا رہتا۔ لڑکیاں روز کوئی نہ کوئی سوانگ بھرتیں یا دیر تک استانیوں اور لڑکیوں کی محفل لگی رہتی یا گانے کی مجلس منعقد ہو جاتی۔"(۱۰)

ہوسٹل کے ماحول اور سرگرمیوں کے تعلیم و تربیت میں اہم کردار کے حوالے سے ڈی۔ ایس۔ گورڈن لکھتے ہیں:

"ایک اقامتی سکول میں تفریحی سرگرمیاں محض تفریح سرگرمیاں نہیں ہوتیں۔ وہ اس کے علاوہ بھی کچھ ہوتی ہیں مثلاً ان سے اتحاد عمل، اپنے گروپ سے وفا داری، روایاتِ مدرسہ کی حمایت، "ہاؤسیز" کی دوستانہ مسابقت اور منصفانہ احساس اور شریفانہ برتاؤ وغیرہ جیسی چیزوں کی تعمیر ہوتی ہے۔"(۱۱)

اس افسانے میں ہیڈ معلمہ، مرجانہ اور اس کی تمام رفیق کار استانیاں معاشرے میں عورتوں میں پائے جانے والے تعلیمی رجحان کی عکاس ہیں۔ ممتاز مفتی نے خواتین کی نفسیات کی باریکیوں اور نزاکتوں کو عمدگی سے بیان کیا ہے۔ مصنف نے سکول کے مختلف درجوں، خوبصورت ماحول، ہوسٹل کی سرگرمیوں اور اجتماعی تعلیمی ماحول کی بھرپور تصویر کشی کی ہے۔ ارشد کا کردار تعلیمی آگہی اور پیشہ وارانہ ذمہ داریوں کو نبھانے کا نمائندہ ہے۔

ممتاز مفتی کے افسانے "خدا بخش" میں مصنف نے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے رجحان کی نشاندہی کی ہے۔ علاوہ ازیں ہوسٹل کی زندگی، سرگرمیوں اور مشاغل کو مہارت سے بیان کیا ہے۔ اس افسانے میں مصنف، یوسف اور خدا بخش کالج میں زیرِ تعلیم ہیں اور ہوسٹل میں مقیم ہیں۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> "سب باتوں کے علاوہ روز شام کو پرنسپل وزٹ پر آیا کرتا تھا۔ کیونکہ دو دِن بیشتر ہی اس نے ایک لمبا چوڑا لیکچر دیا تھا جس میں تاکید کی تھی کہ اب ہم امتحان کے لئے تیاری شروع کر دیں اور وہ بلاناغہ یہ دیکھنے کے لیے کہ ہم مطالعہ کرتے ہیں یا نہیں روزانہ وزٹ کیا کرتا تھا۔"(۱۲)

تینوں کے دوست حامد کا بھی یونیورسٹی کا امتحان قریب آپہنچا ہے۔ اس افسانے میں مصنف، یوسف، خدا بخش، حامد اور مذکورہ دیگر کردار تعلیمی شعور اور آگہی کے نمائندے ہیں۔ یہ افسانہ تعلیمی قابلیت کی بنا پر وظیفہ اور دیگر معاملات میں مفت سہولیات حاصل کرنے کا بھی عکاس ہے۔ مصنف نے تعلیمی اداروں میں کھیلوں کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ افسانے میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہوسٹل میں مقیم طلباء کی تعلیمی سرگرمیوں پر بھی خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔

ممتاز مفتی کے افسانے "آغا اور اسمارائیں" میں تعلیم نسواں کی اہمیت کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ مصنف نے تحقیق کی اہمیت اور ذوقِ تخلیق کی طرف بھی متوجہ کیا ہے۔ آغا گورنمنٹ سروس کے عوض پنشن لیتا ہے اور بطور راہبر امرت پورن میں زندگی گزار رہا ہے۔ اسے بیٹی کی تعلیم وتربیت کا بہت شوق تھا۔ اس کی بیٹی اسمارائیں ایم۔ ایس سی میں زیرِ تعلیم ہے۔ آغا مصنف کو اسما کے تحقیقی ذوق کے متعلق بتاتا ہے:

> "ہاں اسماء نے تحقیق کر کے امرت پورن پر ایک کتاب لکھی ہے لیکن اسماء ابھی اسے چھپوانے کے لیے تیار نہیں۔ وہ ہنسنے لگا۔ کہتی ہے یہ تحقیق ابھی خام ہے جب تک امرت رس کا کھوج نہ لگے کتاب مکمل نہیں ہو سکتی۔ پھر وہ ہنسنے لگا۔ اسماء میں تکمیل کا جذبہ بہت شدید ہے، وہ پرفیکشن کی دیوانی ہے۔"
> (۱۳)

تحقیق کی مشکلات اور محقق کی صفات کے حوالے سے عبد الرزاق قریشی لکھتے ہیں:

"تحقیق کے لیے شوق اور دلچسپی کے ساتھ ساتھ سخت محنت کی بھی ضرورت ہے۔ مواد کی گرد آوری میں نہ صرف کتابوں، مخطوطوں وغیرہ کے اوراق الٹنا ہوتے ہیں بلکہ ہر قسم کی راحت کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تحقیق میں صبر آزما محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔"(۱۴)

اسما کا ذہن مغربی ہے لیکن اس کی روح مشرق میں اٹکی ہوئی ہے۔ اسماء نے گھر پر آرٹس کی تعلیم حاصل کر رکھی ہے۔ تعلیم کے ساتھ اس نے مصوّری، موسیقی اور خانہ داری کے امور پر دسترس حاصل کر رکھی ہے۔ لڑکیوں کی عملی تعلیم کی ضرورت و اہمیت کے حوالے سے جنید اکرم فاروقی لکھتے ہیں:

"تعمیر کی فطرت اسکول میں عملی تعلیم مثلاً ڈرائینگ، دستکاری اور لڑکیوں کے لیے بالخصوص امورِ خانہ داری مثلاً کھانا پکانا، سینا پرونا، کشیدہ کاری وغیرہ کی تسکین اور ترقی کے لیے بہت ضروری ہے۔"(۱۵)

اسماء رائیں کی تعلیم، تحقیق، مصوری، موسیقی، سلائی کڑھائی اور امور خانہ داری میں مہارت معاشرے میں بیٹیوں کی تعلیم و تربیت کی نمائندگی کرتے ہیں۔ یہ افسانہ والدین کی بیٹیوں کی تعلیم کے بارے میں سنجیدگی اور بہترین طرزِ عمل کا نمائندہ ہے۔

ممتاز مفتی کا افسانہ "ایک تھا بادشاہ" جدید تعلیم کے حصول کے رجحان کے ساتھ ساتھ ذرائع ابلاغ کے منفی رویّوں کا بھی عکاس ہے۔ افسانے میں یونیورسٹی سطح کے علمی تدبّر کا اظہار کیا گیا ہے۔ نیز مصنف نے تعلیم حاصل کرنے کے لیے بیرون ملک جانے کے رجحان کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ اسادا ایک بادشاہ ہے۔ اس کا بیٹا شہزادہ ساجھانا گذشتہ آٹھ برس سے یورپ میں یونیورسٹی آف ویسٹرن سائنس اینڈ آرٹس میں زیرِ تعلیم ہے۔ وہ جدید تعلیم حاصل کرنے میں محو ہے اور بادشاہی کے موجودہ تصورات کا انکاری ہے۔ وہ مغربی تصوّرات کا حامل ہے۔ اس لیے نہ وہ بادشاہ بننا چاہتا ہے اور نہ اسے یہ طرزِ حکومت پسند ہے۔ اسادا شہزادے کو بادشاہ بنانے کے لیے اور سمجھانے بجھانے کے لیے مغربی رنگ میں رنگا ہوا ایک اتالیق ساتھی مقرر کرتا ہے۔ اس کام کے لیے محکمہ تعلقاتِ عامہ یونیورسٹی کے بہت سے پروفیسروں کے انٹرویو کرتا ہے اور آخر کار ڈاکٹر مادام زبوری کو منتخب کر لیا جاتا ہے۔ شہزادے کی اتالیق کے بعد ملکہ بھی بن جاتی ہے۔ بادشاہ کو مار کر جھوٹی وصیّت اور فرضی عوام کے پرزور مطالبے پر دونوں کی تاج پوشی کا اشتہار اخبار میں شائع کر دیا جاتا ہے۔

اس افسانے میں ساجھانا کا کردار جدید تعلیمی رویوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ یونیورسٹی پروفیسر اور ڈاکٹر مادام معاشرے میں اعلیٰ درجے کی تعلیم کے رجحان کے مظہر ہیں۔ یہ افسانہ کسی حد تک تعلیم اور ذرائع ابلاغ کے گمراہ کن اور منفی رویوں کا بھی آئینہ دار ہے۔

ممتاز مفتی کے افسانے ”ایلینئز“ میں تعلیم جہاں انسان کو شعور اور آگہی سے آراستہ کرنے کا ذریعہ ہے وہاں بعض اوقات انسانی فکر میں منفی رویے بھی جنم لے لیتے ہیں۔ افسانے میں مرد اور عورت دونوں کے تعلیمی رجحان کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس افسانے میں صائم تعلیم کے حصول کے بعد غریب ماں سے قطع تعلق کر لیتا ہے:

"اگر صائم علم حاصل نہ کرتا۔ اور وہ دونوں ہمیشہ کے لیے مزدور رہتے،
محنت اور مشقت بھری زندگی بسر کرتے تو یہ تعلق جوں کا توں قائم رہتا۔
لیکن علم قینچی بن کر آیا اور اس نے اس عظیم تعلق کے پرزے اُڑا دیے۔“
(۱۶)

اس افسانے میں صائم، ڈاکٹر صولت اور سمیع کی دفتری مصروفیت معاشرے میں عمومی اور پیشہ وارانہ تعلیم کے شعور کا اظہار ہے۔ سلمیٰ، ستارہ اور رابعہ کی کالج کی سطح پر تعلیم معاشرے میں بالخصوص عالمِ نسواں کے تعلیمی شعور کی واضح عکاسی ہے۔ یہ افسانہ تعلیمی اداروں میں طلبہ وطالبات کے درمیان مسابقت کی فضا اور صحت مند رجحان کا بھی عکاس ہے۔

ممتاز مفتی کے افسانے ”حلوائی کی دکان“ میں مرد وزن دونوں کی تعلیمی فکر کی جھلک نظر آتی ہے۔ اس افسانے میں مصنف نے خوشحالی اور تنگ دستی دونوں صورتوں میں معاشرے میں پائے جانے والے تعلیمی طرزِ فکر کی عکاسی کی ہے۔ افسانے میں مخلوط تعلیم کے رجحان کی بھی تصویر پیش کی گئی ہے۔ ثانیہ اور انور کلاس فیلو ہیں۔ ثانیہ کی درخواست پر انور نوٹس کی ایک کاپی دینے آیا تو ثانیہ کی ماں نے سوالات کی بھرمار کر دی مثلاً: ”تیرے ابا کیا کام کرتے ہیں۔ افسر ہیں یا زمیندار ہے۔“ یہ ایک جملہ ایک پختہ کار عورت کی نفسیات پر روشنی ڈالتا ہے۔

ثانیہ ماں کو بتاتی ہے کہ انور ہماری کلاس کا اوّل درجہ لینے والا لڑکا ہے۔ ثانیہ کی ماں سماجی حیثیت کی طرف مائل عورت ہے اور بیٹھے بیٹھے امریکہ میں انجینئر کزن کی اختراع کر لیتی ہے۔ ثانیہ کے ہمسائے میں تیل کمپنی کے ڈائریکٹر مسٹر این کرایے دار کے طور پر آتے ہیں۔ ان کا اکلوتا بیٹا عین ایم۔ اے پاس ہے۔ وہ ہمیشہ جماعت میں اوّل درجہ حاصل کرتا تھا۔ ثانیہ کی ماں اس کے سامنے عین کی تعلیمی قابلیت کی ستائش یوں کرتی ہے۔

"بیٹی پڑھائی میں کوئی مشکل ہو تو عین سے جا کر پوچھ لیا کر۔ ایم۔ اے ہے
وہ۔ تیری آنٹی کہتی ہے ہمیشہ جماعت میں فسٹ ڈویژن لیا کرتا تھا۔“(۱۷)

اس افسانے میں ثانیہ اور انور دونوں اپنی اپنی ماں کا سہارا بننے کے لیے تعلیم کی بدولت ہی نوکری حاصل کرتے ہیں۔ مصنف کے مطابق تعلیم جہاں فکر اور سوچ کو پروان چڑھاتی ہے وہاں روزگار کا بھی بہترین ذریعہ ہے۔ ثانیہ، انور، عین اور ڈائریکٹر معاشرے میں پائے جانے والے تعلیمی تصورات کے مظہر ہیں۔

ممتاز مفتی کے افسانے ''وقار محل کا سایہ'' میں معاشرے میں فرد کے کردار میں رونما ہونے والی تبدیلیوں اور اپنی روایات، نام اور خیالات کو نظر انداز کر کے جدید ناموں اور رویوں کو اپنانے کی سعی کی عکاسی کی گئی ہے۔ افسانے میں مرد اور عورت دونوں کے تعلیمی شعور کی جھلک پیش کی گئی ہے۔ افسانے کی مرکزی کردار یاسمین جب ہائی سکول میں پہنچی تو اپنے نام کو پرانا، سلوٹمپو اور ڈھیلا سمجھ کر اپنا نام جسمن رکھ لیا۔ جب وہ کالج پہنچی تو وہ خود کو ایک جدید لڑکی سمجھنے لگی اور اپنا نام جسمن سے جفی رکھ لیا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ نام جدید ہے اور زندگی کی لطافت سے مزیّن ہے۔ جفی کی بہن عفت پہلے ہی اِف اور پھر افی بن چکی تھی۔ اس افسانے میں مصنف نے تاریخی شعور کا بھی اظہار کیا ہے۔ جفی کا باپ شادی کے وقت اسسٹنٹ تھا۔ پھر حالات بدلے اور وہ پہلے منیجر اور پھر جنرل منیجر بن گیا اور ساتھ ہی محمد عثمان سے ایم او ثمان ہو گیا۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

> "جب فاطمہ بیگم کی شادی محمد عثمان سے ہوئی تو وہ اسسٹنٹ تھے۔ پھر حالات نے سرعت سے پلٹا کھایا اور وہ منیجر ہو گئے اور اب جنرل منیجر تھے۔ اسی کے ساتھ ہی وہ محمد عثمان سے ایم او ثمان ہو گئے تھے۔ لیکن فاطمہ بیگم فاطمہ بیگم ہی رہی تھی۔ وہ فاطمہ زیادہ تھی اور بیگم کم کم۔ تعلیم سرسری تھی۔"(۱۸)

اس افسانے میں جفی اور ایم او ثمان جدید روّیوں کے نمائندے ہیں۔ تعلیم روزگار کا بہترین ذریعہ ہے۔ افسانے میں اس بات کی بھی عکاسی کی گئی ہے کہ لوگ تعلیم حاصل کرنے کے بعد جدید اور نمائشی مرتبے کے خواہاں بن جاتے ہیں۔ یوں وہ قدیم اور جدید کے درمیان الجھ کر رہ جاتے ہیں۔ مصنف نے جدید دور کے انسان کی نفسیاتی الجھنوں کو ہنر مندی سے افسانے کا موضوع بنایا ہے۔

ممتاز مفتی کے افسانے ''چکت گاڑی، ہونکتا ہوٹر اور موم بتی'' میں مصنف نے علمی، ادبی، تنقیدی اور تعلیمی طرزِ فکر اور اخبارات کے کردار کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ اس افسانے میں زندگی کے حقیقی ادیبوں کو افسانوی کردار میں دکھایا گیا ہے۔ افسانے میں حکایت اور لوک کہانی کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ اس افسانے میں مفتی اپنے دوست ابنِ انشا کے کہنے پر ہی اخبار پڑھنا سیکھتے ہیں۔ ابنِ انشا کے مشورے پر ہی اخبار الٹی طرف سے پڑھتے ہیں جہاں غیر اہم خبریں ہوتی

ہیں۔ ابن انشا کے مطابق اہم خبروں میں صداقت نہیں ہوتی۔ مفتی نے شٹل میں مزدوروں کی لڑائی کا واقعہ پڑھا تو اخبار سے اعتماد اُٹھ گیا:

"آخر ادبی محفل میں بھی تو کہانی سننے والے، آستین چڑھا کر بات کرتے ہیں اور میز پر مکے مارنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ اس لحاظ سے تو خبر درست ہو سکتی ہے۔ پھر خیال آتا، نہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔ ادبی محفل میں تو پڑھے لکھے لوگ ہوتے ہیں۔ ہر کسی نے تنقید پر کوئی نہ کوئی کتاب پڑھ رکھی ہے، لہٰذا وہ اپنے علم کا مظاہرہ کرنے پر مجبور ہوتا ہے اور علم کا مظاہرہ دوسرے کی بات رد کرنے میں ہی ہوتا ہے، سپورٹ کرنے میں نہیں۔۔۔ معترض کا مقصد کہانی پر بات کرنا نہیں ہوتا بلکہ اپنی ادبی صلاحیتیں چھانٹنا ہوتا ہے۔ مزدور نقاد تھوڑا ہی ہوتے ہیں۔ وہ ایک معصوم سی کہانی پر کیسے مشتعل ہو سکتے ہیں۔"(۱۹)

افسانے میں مصنف نے اس روش کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ بزرگ کوئی بات سمجھانے کے لئے کسی لوک کہانی یا سعدی اور مولانا روم کی کوئی حکایت سناتے ہیں۔ مصنف نے تعلیم کے باوجود فرد میں پیدا ہونے والے منفی رویّوں اور عادتوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔

ممتاز مفتی کے افسانے "مانا نمانہ" میں مرد اور عورت دونوں کے تعلیمی تدبر کی جھلک پیش کی گئی ہے۔ افسانے میں مخلوط تعلیم کے رجحان، مطالعہ کے شغف اور لائبریری کی اہمیت بھی اُجاگر کی گئی ہے۔ اس افسانے میں نمانہ نے سکول، کالج اور پھر یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی۔ وہ گھر میں بھی کتاب کا مطالعہ کرتی ہے اور لائبریری بھی جاتی ہے۔ اس کے کچھ ہم جماعت بھی کتابی قسم کے ہوتے ہیں۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

"چار ایک کتابی تھے۔ رٹے رٹائے جملے بولتے، حوالے دیتے، امتحانوں میں پوزیشن کے دلدادہ۔ ایک انٹلکچول تھا۔ سارا دن لائبریری میں گھسا رہتا۔ بات کرتا تو کتاب کی بو آتی۔ لڑکیوں کی طرف کبھی توجہ نہ دی تھی۔ دیتا بھی تو تحقیقی قسم کی۔ انہیں شخصیت کے لحاظ سے کلاسی فائی کرتا رہتا۔"(۲۰)

بشیر احمد ہاشمی تعلیمی ادارے میں لائبریری اور مطالعہ کی اہمیت کے حوالے سے کہتے ہیں:

"مدرسے میں لائبریری کا موجود ہونا اور اس کا مناسب استعمال گو نا گوں فوائد کا باعث ہو سکتا ہے۔ کسی مدرسے میں کتب خانے کے موجود ہونے سے طلبہ کو پڑھنے کی ترغیب دلائی جاسکتی ہے۔"[۲۱]

رضا سٹوڈنٹ لیڈر تھا اور پروفیسروں سے نامناسب درشت لہجے میں بات کرتا تھا۔ نمانہ، رضا، نمانہ کی استانیاں اور پروفیسر تعلیمی رجحان کی عکاسی کرتے ہیں۔ مصنف نے اس افسانے میں سکول، کالج اور یونیورسٹی، تینوں درجوں کے تعلیمی شعور اور تعلیمی ماحول کی جھلک بھی پیش کی ہے۔

ممتاز مفتی کے افسانے ''کس لیے؟ کیا اس لیے؟'' میں مصنف نے والدین میں بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوانے کے جذبے کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ والدین بھی منصبی ترقی کے لیے مزید اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ افسانے میں بچوں کو انگریزی اداروں میں پڑھانے کے بڑھتے ہوئے رجحان کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ اس افسانے میں امتیاز فیصل آباد میں اسسٹنٹ ہے۔ اس کی بیوی فرزانہ اُسے کہتی ہے کہ اسسٹنٹ کی کم تنخواہ پر بیٹھ رہنے سے کچھ بھی حاصل نہیں ہو پائے گا۔ فرزانہ کی یہ خواہش ہے کہ اس کی اولاد اچھی تعلیم حاصل کرے اور کانونٹ سکول میں پڑھے۔ بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوانے اور انگریزی اداروں میں تعلیم کے حصول کو ممکن بنانے کے لیے اور بذات خود آگے بڑھنے کے لیے فرزانہ امتیاز کو بار بار اکساتی ہے ''کچھ کرو، امتیاز کچھ کرو۔ اسسٹنٹ بن کر بیٹھ رہنے سے کچھ نہیں ہو گا۔ ہم بچوں کو انگریزی سکول میں داخل نہیں کرا سکیں گے۔''[۲۲] آخر اس نے امتیاز کو مقابلے کے امتحان کے لیے آمادہ کر لیا۔ امتیاز کامیاب ہو گیا اور افسر بن کر اسلام آباد میں چارج سنبھال لیا۔ اس افسانے میں امتیاز کا مقابلے کا امتحان دینا، افسر بننا اور فرزانہ کی بچوں کو اعلیٰ اور انگریزی تعلیم دلوانے کی خواہش معاشرے اور والدین میں موجود تعلیمی فہم کی بہترین عکاس ہے۔ افسانے میں متوسط طبقے کے احساس کمتری کو نمایاں کیا گیا ہے۔

ممتاز مفتی کے افسانے ''کمرہ نمبر ۱۷'' میں مصنف نے لڑکیوں میں ترقی اور مرتبے کے تصورات پر مبنی توقعات کے ٹوٹنے کو خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ افسانے میں خواتین کے درس و تدریس سے وابستہ ہونے کے رجحان پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس افسانے میں صبیحہ کالج میں تعلیم پا رہی ہے۔ جوں جوں تعلیم کے درجے پاس کرتی چلی جاتی ہے وہ صبیحہ سے صبیح اور پھر صبوحی اور پھر صبو بن جاتی ہے۔ ''تحصیل علم کرنے کے بعد لیکچرار کی حیثیت سے اس کی تعیناتی ہو گئی اور وہ ایک دور دراز شہر میں چلی گئی۔''[۲۳] وہ دو سال کے بعد یونیورسٹی سے ڈگری لینے کے لیے لاہور بھی گئی۔ صبیحہ کا بھائی بھی اپنی برانچ کا انچارج ہے۔ اس کے دفتر میں چار لڑکیاں آویزہ، سنبل، ریٹا اور فاطمہ کمپیوٹر ٹریننگ کے لیے آتی ہیں۔ چاروں محنتی ہیں اور خوب صورت بھی۔ ارجمند کے آفس سے صبیحہ کے لیے ایک افسر لڑکے کا رشتہ بھی آتا ہے۔ اس افسانے میں صبیحہ کا کردار لڑکیوں کی کالج اور یونیورسٹی سطح کی تعلیم کے ادراک کا مظہر ہے۔ ارجمند اور اس کے دفتر کا افسر بھی تعلیمی رجحان

کے نمائندے ہیں۔ چاروں کمپیوٹر ٹریننگ والی لڑکیاں معاشرے میں جدید ٹیکنالوجی کی تعلیم کے رجحان کی آئینہ دار ہیں۔ افسانے میں جواں سال خواتین کی نفسیات کی نزاکتوں کو لطیف انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

ممتاز مفتی کے دیگر افسانوں میں ایسے کردار پیش کیے گئے ہیں جو تعلیم یافتہ طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً احمد، مس اختر (احمق)، عصمی، میجر حسن، زیب (وہ ہاتھ)، عبدالصمد، واحد (لکھ پتی)، کیپٹن مسٹر کٹلے، پروفیسر زبیری (مسز کٹلے کا خاوند)، مصنف، جمیل، اسلم، ضیا، پرنسپل، میجر (اوئی اللہ)، مینا، سرور، اطہر، ڈاکٹر ریاض، مس عظمت (مینا)، ڈی۔ مہرا، ذوالقرنین، عالیہ (سکارلٹ)، کیپٹن رفیع، کیف ناصری، ڈاکٹر اجمل، نرس (نیلی رگ)، عطیہ، جاہ (عطیہ)، نومان، چودھری کا بیٹا (چودھری کا بیٹا)، ریحانہ (گھر کی عزت)، اجمل اور اس کی ماں (میر اگھر)، ذولف، بش اور ان کے والدین (بش اور بشرہ)، واحد متکلم (وہ)، یونیورسٹی کا ماحول، کردار، پروفیسر (ڈائری)، نمی، امجی، جی اے او، صفو (پرانی شراب، نئی بوتل)، امجد، امان، جہاں آرا (ساری بات)، ڈاکٹر شوکت، مسٹر راحیل راؤ (چٹ کپڑی)، ڈالی کا باپ (دیوی)، واحد متکلم (عینی اور عفریت)، ڈاکٹر داؤد، ڈاکٹر خالد (دوموہی)، آمن (رکاوٹ)، الطاف، انطو (سیڑھی سرکار)، بدر، آسیہ (تھرڈ مین) وغیرہ۔

ممتاز مفتی کی افسانوی دنیا میں ایک 'تعلیمی منظر نامہ' تشکیل ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ انہوں نے اس منظر نامے کا باریک بینی سے مشاہدہ کیا ہے اور اس کی تفصیلات کو کہانی اور کرداروں کی صورت میں پیش کیا ہے۔ انہوں نے تعلیم کی اہمیت اور افادیت کو بھی اجاگر کیا ہے اور حصولِ تعلیم کی راہ میں پیش آنے والے مسائل اور مشکلات کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ ممتاز مفتی کے افسانوں میں تعلیمی شعور کی پیش کش، فکری اور فنی سطح پر ہوئی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ممتاز مفتی، ذاتی معاملہ، گڑیا گھر، لاہور: الفیصل ناشران، ۲۰۰۸ء، ص:۶۳

۲۔ خورشید احمد، پروفیسر، نظامِ تعلیم (نظریہ۔ روایت۔ مسائل)، اسلام آباد: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، ۱۹۹۳ء، ص:۲۷

۳۔ ممتاز مفتی، ذاتی معاملہ، گڑیا گھر، ص:۶۱

۴۔ ایضاً، ص:۵۸

۵۔ ارشد محمود، تعلیم اور ہماری قومی الجھنیں، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۸ء، ص:۲۰۰

۶۔ ممتاز مفتی، جادو گرنی، گڑیا گھر، ص:۱۷۸

۷۔ ممتاز مفتی، سمیع اور اسارہ، اسمارائیں، لاہور: الفیصل ناشران، ۲۰۰۸ء، ص:۲۱

۸۔ ممتاز مفتی، جوار بھاٹا، اسمارائیں، ص:۶۴

۹۔ ارشد محمود، تعلیم اور ہماری قومی الجھنیں، ص:۱۷۷

۱۰۔ ممتاز مفتی، جوار بھاٹا، اسمارائیں، ص:۶۶

۱۱۔ خلیل الرحمن سیفی پریمی، ڈاکٹر (مترجم)، ڈی۔ ایس۔ گورڈن، اصول تعلیم اور عمل تعلیم، نئی دہلی: ترقی اُردو بیورو، ۱۹۸۱ء، ص:۲۳۵

۱۲۔ ممتاز مفتی، خدا بخش، اسمارائیں، ص:۲۱۰

۱۳۔ ممتاز مفتی، آغا اور اسمارائیں، روغنی پتلے، لاہور: الفیصل ناشران، ۲۰۱۴ء، ص:۱۳۶

۱۴۔ عبدالرزاق قریشی، مبادیاتِ تحقیق، لاہور: خان بک کمپنی، س۔ن، ص:۱۶

۱۵۔ جنید اکرم فاروقی، تعلیم و تربیت کے نفسیاتی اُصول، امروہہ: بابا فرید ایجوکیشنل سوسائٹی، ۲۰۰۲ء، ص:۲۱

۱۶۔ ممتاز مفتی، ایلیئنز، روغنی پتلے، ص:۱۶۵

۱۷۔ ممتاز مفتی، حلوائی کی دکان، روغنی پتلے، ص:۱۹۳

۱۸۔ ممتاز مفتی، وقار محل کا سایہ، روغنی پتلے،، ص:۲۰۳

۱۹۔ ممتاز مفتی، چکت گاڑی، ہونکتا ہوٹر اور موم بتی، سمے کا بندھن، لاہور: الفیصل ناشران، ۲۰۱۲ء، ص:۳۶

۲۰۔ ممتاز مفتی، مانا نمانہ، سمے کا بندھن، ص:۶۴

۲۱۔ بشیر احمد ہاشمی، تعلیمی مضامین، لاہور: ایجوکیشنل پبلشرز، ۱۹۳۹ء، ص:۱۷۴

۲۲۔ ممتاز مفتی، کس لیے؟ کیا اس لیے؟ سمے کا بندھن، ص:۱۲۴

۲۳۔ ممتاز مفتی، کمرہ نمبر ۱۷، سمے کا بندھن، ص:۱۴۳۔

References:

1. Mumtaz Mufti, Zati Muamla, Guriya Ghar, Lahore: Al-Faisal Nashran, 2008, p. 63.
2. Khurshid Ahmad, Professor, Nizam-e-Taleem (Nazariya – Riwayat – Masail), Islamabad: Institute of Policy Studies, 1993, p. 27.
3. Mumtaz Mufti, Zati Muamla, Guriya Ghar, p. 61.
4. Ibid., p. 58.
5. Arshad Mahmood, Taleem aur Hamari Qaumi Uljhanein, Lahore: Fiction House, 2018, p. 200.
6. Mumtaz Mufti, Jadugarni, Guriya Ghar, p. 178.
7. Mumtaz Mufti, Sami aur Asmara, Asma Raaein, Lahore: Al-Faisal Nashran, 2008, p. 21.
8. Mumtaz Mufti, Jawar Bhata, Asma Raaein, p. 64.
9. Arshad Mahmood, Taleem aur Hamari Qaumi Uljhanein, p. 177.
10. Mumtaz Mufti, Jawar Bhata, Asma Raaein, p. 66.
11. Khalil-ur-Rehman Saifi Premi, Dr. (trans.), D. S. Gordon, Usool-e-Taleem aur Amal-e-Taleem, New Delhi: Taraqqi Urdu Bureau, 1981, p. 235.
12. Mumtaz Mufti, Khuda Bakhsh, Asma Raaein, p. 210.
13. Mumtaz Mufti, Agha aur Asma Raaein, Roghni Putlay, Lahore: Al-Faisal Nashran, 2014, p. 136.
14. Abdul Razzaq Qureshi, Mabadiyat-e-Tahqeeq, Lahore: Khan Book Company, n.d., p. 16.
15. Junaid Akram Farooqi, Taleem-o-Tarbiyat ke Nafsiati Usool, Amroha: Baba Fareed Educational Society, 2002, p. 21.
16. Mumtaz Mufti, Aliens, Roghni Putlay, p. 165.
17. Mumtaz Mufti, Halwai ki Dukan, Roghni Putlay, p. 193.
18. Mumtaz Mufti, Waqar Mahal ka Saya, Roghni Putlay, p. 203.
19. Mumtaz Mufti, Chhatak Gaari, Honkta Hooter aur Mombatti, Samey ka Bandhan, Lahore: Al-Faisal Nashran, 2012, p. 36.
20. Mumtaz Mufti, Mana Namana, Samey ka Bandhan, p. 64.
21. Bashir Ahmad Hashmi, Taleemi Mazameen, Lahore: Educational Publishers, 1939, p. 174.
22. Mumtaz Mufti, Kis Liye? Kya Is Liye?, Samey ka Bandhan, p. 124.
23. Mumtaz Mufti, Kamra Number 17, Samey ka Bandhan, p. 143.